ہندوستان میں عربی میں شعرگوئی اور اس کے موضوعات و اسالیب

از ڈاکٹر حامد علی خان صاحب رامپوری

شعرائے عرب کی تقسیم[1] کے مطابق ہندوستانی شعراء میں سے صرف ہارون بن موسیٰ ملتانی کو اسلامی شعراء میں شمار کیا جاسکتا ہے اور باقی تمام دوسرے شعرا کا شمار قسم چہارم یعنی "مولدون" میں ہو سکتا ہے لیکن میری دانست میں ہندوستان کے عربی گو شعراء کی تقسیم اور طبقات میں امتیاز اس طرح ممکن ہے کہ شعرائے ہند کو پہلے دو قسموں میں منقسم کیا جائے۔ اول مہاجر شعرا دوم اصل و نسل کے اعتبار سے خالص ہندوستانی شعرا۔ بعد ازاں قسم اول میں دو قسم کے شاعر داخل ہیں (۱) وہ شعرا جو عرب سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور اسی ملک میں رہ پڑے۔ (۲) وہ شعراء جو عرب کے علاوہ دوسرے ایشیائی ممالک سے ہندوستان آئے اور یہاں سکونت اختیار کرلی۔ خالص ہندوستانی شعراء کو حسبِ ذیل چار طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :-

(۱) دولت اموی اور حکومت عباسی کے عہد میں مملکت سندھ کے شعراء۔

(۲) سندھ پر عرب اقتدار ختم ہونے کے بعد دسویں صدی تک کے شعراء

---

[1] نقادانِ سخن نے شعرائے عرب کو چار حسبِ ذیل قسموں میں منقسم کیا ہے :-

(۱) جاہلیون یعنی وہ شعرا جو ظہورِ اسلام سے قبل گزرے جیسے امرؤ القیس، طرفہ، زہیر، عمرو بن کلثوم اور عنترہ بن شداد وغیرہ۔　　(باقی ص۱۱۱ پر)

(۳) گیارہویں صدی ہجری سے آج تک کے متوفی شعرا۔
(۴) بقید حیات شعرا۔[۱]

پہلا طبقہ چونکہ سندھی شعرا کو عربوں سے براہ راست میل جول کے مواقع میسر آئے اور عربوں کی صحبت اُن کے ذہنی نشو ونما اور تربیت میں دخیل رہی، اس لیے ان کی شاعری دراصل عرب شاعری ہی ہے۔ چنانچہ اس دور کے عرب شعرا کی مانند اُن کے کلام میں تمام اقسامِ سخن موجود ہیں۔ ان کی شاعری کا اسلوب بھی عربوں جیسا ہے تصورات، خیالات، معتقدات، ملفوظات، الفاظ کا انتخاب، تراکیب کا استعمال اور بیان و ادا کے طریقوں وغیرہ میں کسی بھی پہلو سے معاصر عرب شعرا سے اُن کا امتیاز ناممکن ہے۔

افسوس یہ ہے کہ اس طبقے میں سے صرف چند سندھی شعرا کا ذکر قدیم مصنفوں نے اپنی تصانیف میں کیا ہے، پھر اُن میں سے بھی زیادہ تر کلام ضائع ہو چکا ہے۔ مثلاً کشاجم کا دیوان مطبوعہ ہے مگر وہ بہت ناقص ہے۔ ابوعطاء السندی کے صرف ایک سو چونتیس اشعار دستیاب ہوئے ہیں۔ ابوالضلع السندی کے چھ قصیدوں کے محض چھپن اشعار انقلابات زمانہ سے محفوظ رہ سکے ہیں جن بن حامد ادیب

حاشیہ بقیہ ص ۱۰۹ (۲) مخضرمون یعنی وہ شعرا جنھوں نے دورِ جاہلیت اور عہدِ اسلام دونوں کو پایا مثلاً لبید ابن ربیعہ عامری، حسان ابن ثابت اور کعب ابن زہیر وغیرہ۔ بعض صاحبانِ فن کے نزدیک 'مخضرمون' اُن شعرا کو کہا جاتا ہے جنھوں نے اموی اور عباسی دونوں حکومتوں کو دیکھا۔ اس تعریف کی بنا پر ابوعطاء السندی کا شمار 'مخضرمون' میں ہوگا۔

(۳) اسلامیون یعنی وہ شعرا جن کی ولادت ظہورِ اسلام کے بعد ہوئی مثلاً فرزدق، جریر اور اخطل وغیرہ۔

(۴) مولّدون یا محدثون یعنی وہ شعرا جن کا عہد اسلامی شعرا کے بعد ہوا مثلاً ابو تمام، بحتری، متنبی، ابوالعلاء، ابونواس اور ابوالعتاہیہ وغیرہ۔

عام طور سے اموی دور کے شعرا کو 'اسلامیون' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور عباسی عہد کے شعرا کو
(باقی ص ۱۱۱ پر)

دیبلی کے کل دو ہی شعر ملتے ہیں۔ ابراہیم بن السندی بن شاہک کی طرف منسوب کرتے ہوئے عربی زبان کے مشہور و معروف ادیب جاحظ بصری متوفی ۲۵۵ھ نے چند حکایات اپنی تصانیف "کتاب الحیوان، کتاب البخلاء، البیان والتبیین" میں درج کی ہیں اور اس کو بلند پایہ شاعر و ادیب تسلیم کیا ہے مگر اس عظیم شاعر کا ایک شعر بھی دستیاب نہیں ہوتا۔

چونکہ ان شاعروں کے کلام میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو اس عہد کے اعلیٰ شعرائے عرب کا مابہ الامتیاز ہیں، اس لیے ارباب نقد نے ان شاعروں کو سراہا ہے اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ سندھ کے ان شاعروں کا درجہ عراقی، مصری اور عرب شعراء کے برابر ہے۔

دوسرا طبقہ اس طبقے کے شعراء میں بھی بعض کا کلام تو دستیاب ہی نہیں ہوتا اور کچھ شاعروں کا کلام ملتا بھی ہے تو اس قدر کم کہ اس کے بل پر شاعر کی صحیح قدر و قیمت کا تعین دشوار ہے، تاہم قاضی عبدالمقتدر شریحی کا طویل لامیہ نعتیہ، شیخ احمد تھانیسری کا نافص والیہ نعتیہ اور امیر خسرو کا علاؤ الدین خلجی کی مدح میں قصیدہ ہندوستان میں نعتیہ اور مدحیہ شاعری کے موجود ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ زین الدین معبری مالاباری کی فن اخلاق پر طویل نظم، محمد بن عبدالعزیز کالی کٹی کا پانچ سو اشعار پر مشتمل ارجوزہ، ابو اسحاق عمر بن حکم لاہوری کا عربی صرف میں منظوم رسالہ اور مفتی قطب الدین نہروالی کے اشعار کا دستیاب ہونا جو غزل، خمریات اور حکم و امثال پر مشتمل ہیں، اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ اس طبقے میں اخلاقیات، رجز، حکمت، امثال، منظوم تراجم اور غزل وغیرہ موضوعات پر اشعار کہنے کا رواج تھا۔ مسعود بن سعد بن سلمان لاہوری کا صنعت توریہ اور صنعت "ذو قافیتین" پر کلام کا موجود ہونا، حسن صاغانی کا ایک ہی لفظ "مرتجی" کو چند اشعار میں بطور قافیہ مختلف معانی میں مہارت و خوبی کے

حاشیہ نقیبہ صفحہ ۱۰۹ ، "مولدون، یا محدثون" کہا جاتا ہے۔ پھر "مولدون" کے اول، دوم اور سوم وغیرہ طبقات بنائے گئے ہیں۔ ر حاشیہ صفحہ ۱۱۱) ؎ چونکہ اس طبقے کے متعلق یقینی نتائج کا اظہار خیال ممکن نہیں ہے، اس لیے اس طبقے کا تفصیلی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

ساتھ استعمال کرنا اور امیر خسرو کا اپنی فارسی تصنیف "اعجازِ خسروی" میں دورانِ تصنیف حسبِ ضرورت و مقام چھ سو ستر سطر اشعار برجستہ کہنا اور لکھنا، ان شعرا کی قادر الکلامی اور زورِ طبیعت کا ثبوت ہے البتہ اُن شاعروں کے لیے مستند شعرائے عرب کا کلام مشعلِ راہ تھا، اس لیے اُن کے اسلوبِ فکر اور اندازِ بیان میں تقلید و تتبع زیادہ اور جدت و اختراع کم ہے۔

تیسرا طبقہ اس طبقے کے بھی اکثر شعرا، کا کلام محفوظ نہیں ہے، تاہم صاحب دیوان شعرا میں سے بہت سے دواوین قلمی یا مطبوعہ شکل میں ہندوستان کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ ان دواوین کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں حمد، نعت، مناجات، رثا، غزل، تاریخ گوئی، تقریظ نگاری، غزل، تہنیت، تعزیت، حکمت، نصیحت، فخر، حماسہ، رجز، ادب، حب وطن، وصف، منظر کشی، پرندوں سے تخاطب، منظوم تراجم، منظوم مراسلت، اخلاقیات، سیاسیات، ہجویات، وقتی تحریکوں کی مخالفت، مذمت اور شکایت زمانہ کے موضوعات پر کلام موجود ہے۔ اس طبقے میں مثنوی کا رواج ہونے کے علاوہ بعض نئی اقسام سخن مثلاً سہرا، واسوخت، کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ متذکرہ بالا موضوعات پر اشعار اور نمونے "فضیل ابن جلال کالپوی، شیخ یعقوب صرفی کشمیری، میر عبد الجلیل بلگرامی، خوب اللہ کاکوروی، شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ عبد العزیز دہلوی، آزاد بلگرامی، باقر آگاہ، قاضی عمر بلنکوٹی، احمد حسن عرشی، فضل حق خیرآبادی، وزیر علی سندیلوی، فیض الحسن سہارنپوری، ملا فضل حسین، حکیم عبد المجید خاں، شیخ احمد جبتکر، ذو الفقار علی دیوبندی، قاضی عبد الوحید فردوسی، فاضل حیدرآبادی، حلم غازی پوری، شیخ عبد الاول جونپوری، انور شاہ کشمیری، حبیب الرحمن عثمانی اور سید سلیمان ندوی" کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس طبقے کے شعراء کے پیش نظر بھی عرب شعرا، کا کلام تھا، اس لیے ان کے یہاں بھی عربوں کی مکمل پیروی پائی جاتی ہے۔ چونکہ اس طبقے کا کلام نسبتاً زیادہ ملتا ہے، اس لیے اُن کے بارے میں رائے قائم کرنا آسان ہے اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ زبان و بیان کے اعتبار سے یہ حضرات اپنے معاصرین

عرب شعراء سے کسی طرح کم نہیں۔

مہاجر عرب شعراء[1] عرب کے مہاجر شعراء میں سے اکثر کا کلام کم و بیش قابلِ حصول ہے۔ ان کے کلام میں حمد، نعت، رثا، مدح، غزل، فخر، حماسہ، ادب، زہد، حبِ وطن، تہنیت، وصف، تاریخ گوئی، مذمتِ فراق، مذمتِ دنیا، شکایتِ دہر، ہجو، منظوم مراسلت، تضمین اور قطعات وغیرہ موجود ہیں۔ یہ مہاجر شعرا عرب نسل کے تھے، ان کی مادری زبان عربی تھی، اپنے ملک میں ہی مروجہ تعلیم نے ان کی ذہنی ساخت و پرداخت مکمل کر دی تھی اور یہ اپنے ملک میں عربی کلام سنتے اور عربی میں شاعری کرتے ہوئے آئے تھے، اس لیے ان کے اسالیب شعر اور موضوعات اپنے ہم عصر عربوں سے ممتاز نہ تھے۔ عرب نژاد مہاجر شعرا کے بارے میں تقلید کا سوال تو پیدا ہی نہیں ہوتا، البتہ ہندوستان آنے کے بعد تنوعِ کلام میں کمی آئی اور ان کی شاعری کا دائرہ حمد، نعت، مدح اور مرثیہ جیسی اقسامِ سخن میں خصوصیت کے ساتھ محدود ہو گیا۔

غیر عرب مہاجر شعراء عطا ابن یعقوب غزنوی، ملا علی شیرازی، فرح اللہ شوستری، حکیم محمد مومن شیرازی جزائری اور شیخ محمد علی حزیں وغیرہ جو افغانستان و ایران وغیرہ ممالک سے ترکِ سکونت کر کے ہندوستان آئے تھے، ان کے کلام کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ دستیاب شدہ کلام مدح، مرثیہ، نعت، غزل، حکم، امثال، حبِ وطن، حماسہ، زہد، ادب، شکوۂ زماں اور تضمین وغیرہ کے موضوعات پر حاوی ہے۔ اہلِ ہند کی مانند ان شعرا کی مادری زبان عربی نہیں تھی، لہٰذا زیادہ تر شعراء کے کلام کی معتد بہ مقدار مدح میں ہے۔ ہندوستانیوں کی طرح ان کے واسطے بھی عرب شعراء کے نمونے چراغِ راہ تھے، اس لیے ان کا اسلوب بھی ہندوستانیوں جیسا ہے۔ ان

---

[1] مہاجر عرب شعراء سے مراد "ابن الساعی، بحرق حضرمی، باکثیر مکی، شیخ حضرمی، شیخ احمد بن علی البکری الجوہر المکی، شیخ عبد القادر العیدروس، سید حسن بن قنقم حسینی، حکیم محمد بن احمد گیلانی، یحیٰ الدستکی، آصفی الغنانی، حبیب عبد اللہ بن جعفر، شیخ احمد شروانی اور محمد طیب مکی رامپوری" ہیں۔

دونوں میں صرف اس قدر فرق ہے کہ فارسی ایک کی مادری زبان تھی اور دوسرے کی اکتسابی۔

اہلِ ہند کی اثر پذیری

مذکورہ بالا بیان میں سندھی شعراء کے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ الفاظ وتراکیب معانی و مطالب اور موضوعات و اسالیب وغیرہ میں ان کی شاعری عربوں جیسی ہے۔ اب طبقۂ دوم اور طبقۂ سوم کے بارے میں وضاحت کی جائے گی کہ انھوں نے اپنی شاعری میں کس حد تک عربوں کی پیروی کی، ایرانیوں کے کن اثرات کو قبول کیا اور مقامی اثرات سے کس قدر متاثر ہوئے؟

علمِ عربی کے حصول کا مقصد

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عجم کے عربی گو شعرا خواہ ہندستانی ہوں یا کسی اور ملک کے باشندے، بنیادی طور پر ادبِ عربی کے طالبِ علم نہ تھے بلکہ عربی کی تحصیل سے ان کا مقصد قرآن و حدیث کا فہم اور فقہی مسائل سے آگاہی تھا ورنہ اُن کی اپنی اپنی مادری زبان کو عربی زبان سے دور کا رشتہ بھی نہ تھا، البتہ قرآن و حدیث کا ایسا مجتہدانہ مطالعہ جس کے ذریعے مختلف دینی، اخلاقی اور سیاسی مسائل کا استنباط کیا جائے، ناممکن تھا، تاوقتیکہ عربی لغت، قواعد اور اصولِ فصاحت و بلاغت سے گہری واقفیت پیدا نہ کی جائے نیز قرآن کا نزول محاورۂ عرب پر ہوا تھا، اس لیے اس زبان کے مختلف عربی اسالیب سے باخبر ہونے کے لیے جاہلی و اسلامی شعراء کے کلام کا استیعاب اور توجہ سے مطالعہ کیا جانا ناگزیر تھا۔ اس مطالعے ہی نے مسلمانوں سے عربی لغت، جاہلی شعراء کے اشعار اور امثال مرتب کرائے، صرف ونحو کے ضابطے بنوائے اور معانی، بیان، بدیع کے اصول ضبط کرائے۔

جس عہد سے ہندوستانی عربی شاعری کا آغاز ہوتا ہے، اس میں جاہلی شعراء کا کلام سینوں سے سفینوں میں منتقل ہو چکا تھا اور ہندوستانی عربی داں پہلے جاہلی شعراء کے کلام سے اور بعد ازاں متنبی، ابوتمام اور حریری کے کارناموں سے روشناس ہوتے تھے۔ "قصیدہ بانت سعاد" اور "قصیدہ بردہ للبوصیری" بھی زیرِ مطالعہ رہا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں "مقاماتِ حریری، دیوانِ متنبی، دیوانِ حماسہ، سبع معلقات، قصیدہ بانت سعاد، قصیدہ بردہ للبوصیری" کی متعدد

شرحیں لکھی گئیں اور تراجم بھی ہوئے۔

ہندوستانی شاعروں کی عربی شاعری پر اہلِ عرب میں سے جن شاعروں نے زیادہ اثر ڈالا، وہ شعرائے سبع معلقات اور متنبی ہیں۔ جاہلی شعراء میں اصحاب معلقات کو آفتاب و ماہتاب کی حیثیت حاصل ہے۔ اہلِ عجم نے ان کو عرب کا نمائندہ اور اعلیٰ شاعر سمجھا۔ ان کے کلام کو بے انتہا رغبت و شوق سے پڑھا اور ان کا اسلوب بھی اختیار کرنے کی کوشش کی مگر ان شاعروں کے کلام میں تخیل کی سادگی نمایاں تھی اور فارسی شاعری کے خوگر اس سے پورے طور پر مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔" دیوان حماسہ" اور "دیوان متنبی" میں ان کی ادبی تشنگی کی تسکین کا سامان مل گیا اور یہ لوگ ادھر متوجہ ہو گئے۔ ان دونوں کتابوں نے بہت جلد نصابی حیثیت اختیار کر لی اور ان کی شرحیں، حاشیے اور مختلف زبانوں میں تراجم معرض وجود میں آگئے۔ اہلِ ہند نے اُن کے اسلوب کو اپنایا، ان کی اختیار کردہ بندشوں کو پسند کیا، ان کی تراکیب، الفاظ، ادائے معانی اور طریقِ بیان کو اپنا کر ان ہی بحروں میں خود بھی طبع آزمائی کرنے لگے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ تحریر ہے کہ عجمیوں کے لیے زبان فارسی کی نوشت و خواند تعلیم کا پہلا مرحلہ تھا اور فارسی میں استعداد بہم پہنچانے کے بعد عربی علوم کی طرف توجہ کی جاتی تھی۔ ہندوستانی مسلمانوں کی دفتری اور کاروباری زبان فارسی تھی اور عربی صرف، نحو، منطق اور فلسفہ وغیرہ کی ابتدائی کتابیں بھی فارسی میں لکھی گئی تھیں، اس لیے ہر عربی خواں پہلے فارسی پڑھنے پر مجبور رہتا۔ عرصے تک فارسی پڑھنے سے اس زبان کے محاورے، کہاوتیں اور قصے وغیرہ ذہن پر آدرش نقش چھوڑ جاتے تھے، اس لیے اہلِ ہند کی عربی شاعری میں فارسی کا رنگ بہر طور جھلکا اور فارسی اثر کے ماتحت بعض نئی اقسام سخن معرضِ وجود میں آئیں اور بعض اصنافِ سخن کو نشو و نما کا موقع ملا۔

مدحیہ قصیدے کا اسلوب

ہندوستانی شاعروں نے عربوں کی مانند قصائد کی ابتدا تشبیب سے کی اور تشبیب میں عربوں کی پیروی کرتے ہوئے عورت کو معشوقہ قرار دیا۔ انھوں نے اپنے ملک کے مذاق کی طرف یکسر توجہ نہیں کی اور اسی طرح ایرانیوں اور ترکوں کی طرح مذکر معشوق کا ذکر نہیں کیا۔ ایرانی اثرات کے ماتحت ہندوستانی شعراء نے عام طور سے تشبیب میں بہار یہ

اشعار[1] کبھی نہیں لکھے، پھر جس طرح عربوں کا معشوق عفت و عصمت کا حرم نشین ہوتا تھا، اس کی طرف رُخ کرنے پر تلواروں کا سامنا کرنا، کشت و خون ہونا اور خون کی ندیوں کا بہنا لازمی تھا، ٹھیک اسی طرح ہندستانی شعرا کا معشوق با عفت ہوتا، اس سے تعلقات استوار کرنا اور وصل کی راہیں نکالنا آسان کام نہ تھا۔

ہندوستانی شعراء نے بقول عبدالقادر قصری — بہند و دعد خوف واش و حاسد + امرہ عن سلمیٰ وعن ام سالم۔ عن المنزل العالی امرہ بالنقا + واکنی لسلمی عن حبیب الضمائر[2] — لیلیٰ، سلمیٰ، زینب، سعاد، عذرا، ہند اور ام سالم کے اسما تشبیب میں لکھے لیکن یہ بات حد کنایہ تک تھی ورنہ حقیقت میں ان کے پیشِ نظر ہندوستانی عورت تھی۔ خود شعراء کے کلام میں معشوقہ کے ہندوستانی ہونے کی تشریح موجود ہے۔ علاوہ ازیں اس کی صفات کا بیان اس کا ہندوستانی ہونا متعین کر دیتا ہے۔

ہندوستان کے باشندوں کی زندگی عربوں کی بدویانہ زندگی سے مختلف تھی۔ ہندوستانیوں کو نہ آب و گیاہ کی تلاش میں دربدر پھرنا پڑتا تھا اور نہ اپنے ممدوح تک پہنچنے میں صعوباتِ سفر سہنا پڑتی تھیں، اس لیے اونٹ کی تیز رفتاری، اس کی بھوک و پیاس پر قناعت، مسلسل سفر کی وجہ سے لاغری، شب روی، ریگستانوں کی شدت حرارت، سورج کی تمازت، بیابانوں کی وحشت، جنگلوں کی ہیبت اور راہ کے مناظر کی تصویر کشی کا بیان اہلِ عرب کے مانند ہندوستانی شعرا کے کلام میں نہیں ہے۔ ہندوستان کے مسلم حکمران عام طور سے عربی زبان و ادب کے ماہر نہیں تھے، اس لیے اہلِ ہند نے زیادہ تر شیوخِ طریقت[3]، اساتذہ اور بڑے بڑے

---

[1] ہندوستان کے تمام شاعروں میں صرف عبدالجبار خاں آصفی رامپوری نے اپنے بعض قصیدوں میں تشبیب لکھتے وقت پہلے معشوقہ کی تعریف و توصیف میں کثیر اشعار کہے اور بعد ازاں بہاریہ اشعار لکھ کر عربی میں فارسی روایت کی قلم لگائی۔ [2] جواہر الاشعار ص ۱۶۷۔ [3] مسلم ممالک کی طرح ہندوستان میں چشتی، سہروردی، نقشبندی اور قادری وغیرہ طرق تصوف ہندوستان میں رائج ہوئے اور ان سلاسل نے ہندوستان میں بڑی اہمیت اختیار کر لی تھی چنانچہ اس زمانے میں کسی بزرگ کے دامن سے وابستہ ہونا دینی و دنیوی فلاح کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، اس لیے اکثر و بیشتر علما کسی نہ کسی طریقے کے حلقہ بگوش نظر آتے ہیں۔

علماء و فضلا کو اپنا ممدوح بنایا۔ اسی باعث ان کے کلام میں عقل و دانش، علم و فضل، مہارت و کمال، عزت و عظمت، صبر و قناعت، شرافت و صداقت، امانت و دیانت، رشد و ہدایت، زہد و تقویٰ، حزم و احتیاط، عجز و انکسار اور اسی طرح کی دیگر صفاتِ حمیدہ کا ذکر ملتا ہے۔ امراء و حکام کی مدح میں لکھے گئے قصائد میں جود و سخاوت، سیاست و تدبر، حسنِ انتظام، عدل و انصاف، رعایا کی خبر گیری، ہمدردی اور لطف و کرم وغیرہ صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر ممدوح بادشاہ ہوتا تو رعب و جلال، فتوحات، ہمسروں کا قتل، نیزہ و تلوار زنی میں مہارت، تیغ و سناں کے اوصاف، شہسواری وغیرہ صفات کا بیان کرتے اور انھیں شجاعت و دلیری کا پیکر ثابت کرتے۔

گذشتہ بیان سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جس طرح عربی شاعری واقعیت پر مبنی تھی، اسی طرح ہندستان کے شعراء نے بھی شاعری کی بنیاد صداقت پر رکھی اور حقیقت سے چشم پوشی اور واقعیت سے روگردانی نہیں برتی۔ مفروضات کو حقائق کی شکل میں کبھی پیش نہیں کیا۔ مبالغے کا استعمال ضرور کیا لیکن کسی ناممکن چیز کو ممکن نہیں بنایا۔

اسلوب مرثیہ

ہندستانی شعرا کے مراثی مدحیہ قصائد جیسے امتیازات کے حامل ہیں۔ امراء و حکام و ملوک و سلاطین کی جگہ علماء و فضلا اور مشائخ و سادات کے مراثی عام طور پر لکھے گئے، اس لیے شمعِ علم کا گل ہونا، تفسیر و حدیث کا نوحہ کناں ہونا، زہد و تقویٰ کا دنیا سے اُٹھ جانا، رشد و ہدایت کا مفقود ہو جانا، نورِ ایمانی کی شعاعوں کا افقِ عالم سے غائب ہو جانا، ہر کہ و مہ کا رنج و الم میں مبتلا ہونا اور نباتات و جمادات تک کا متاثر ہونا وغیرہ مرثیے میں بیان کیا گیا ہے، البتہ اگر کبھی کسی حاکم کا مرثیہ لکھا تو پھر عربوں جیسا ہی میدان مرثیہ نظر آتا ہے۔ ہندستانی شعراء نے مراثی میں فعل ماضی کے صیغے استعمال کیے اور تشبیب کبھی نہیں لکھی، اس لیے وہ اس صنف میں عربوں کے حقیقی پیرو قرار دیے جا سکتے ہیں۔

غزل

ہندستان کے عربی گو شعراء نے عربی غزلیں کافی تعداد میں لکھیں۔ مفتی قطب الدین نہروالی اور شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے محدث، فقیہ اور مصلحِ امت کی غزلوں کا دستیاب ہونا ہندستان میں غزل لکھنے کا عام رواج اور مقبولیت کی واضح دلیل ہے۔ بظاہر حال غزلوں کی یہ بہتات ایرانی شاعری کا اثر ہے جس کے اہلِ ہند خوگر تھے۔ یہاں 'غزل' مذکر، ایک جداگانہ صنفِ شعر قرار دی گئی۔ غزلیں اکثر مسلسل ہیں۔

ان میں محبوب کا مفصل سراپا، وصل و ہجر کی کہانی، دلچسپ واردات یا کوئی تفصیلی واقعہ بیان ہوا ہے جبکہ فارسی شاعری میں عشق و محبت کے کسی معاملے یا واردات کے بیان میں تسلسل نہیں ہوتا بلکہ ہر شعر مستقل ہوتا ہے اور اس میں کوئی انفرادی خیال یا واقعہ نظم ہوتا ہے

دیگر اقسام سخن ہندوستانیوں نے زہد و ادب، حکمت و امثال اور اخلاقیات پر عام طور سے عربوں کی طرح مستقل قصائد تو نہیں لکھے مگر مدحیہ قصائد کے ضمن میں ایسے اشعار ضرور کہے جن میں یہ مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ حماسہ، رجز، تحذیر و تخویف اور ہجو کے موضوعات پر بھی کم لکھا۔ اس کا سب سے اہم سبب ہندوستان کا غیر عربی ماحول تھا۔ تہنیت اور مبارکباد کے مواقع پر زیادہ تر قطعات اور کبھی کبھی مستقل تہنیتی قصائد لکھے گئے مگر ہندوستان میں عربی زبان عام فہم نہ ہونے کی وجہ سے یہ قسم بھی ترقی نہ کر سکی کیونکہ تہنیت کا تعلق براہ راست شاعر کے مخاطب سے ہے۔ اگر مخاطب پیش کردہ تہنیت کی زبان نہ سمجھے تو مخاطب کے محظوظ نہ ہونے کی وجہ سے تہنیت پیش کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کے عربی گو شعراء کے دوسرے طبقے میں منظوم تقریظ نگاری کا رواج ہو گیا تھا لیکن تیسرے طبقے میں نہایت تیزی کے ساتھ اس کا رواج پھیل گیا۔ منظوم تقریظیں آج تک ہزاروں کتابوں میں درج ہیں۔ تقریظ نگاری صرف عربی زبان کی تصنیف و تالیف کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ فارسی کی بھی دسیوں کتابوں کی تقریظیں عربی زبان میں لکھی گئیں۔ یہی نہیں بلکہ بعض بعض اردو کتابوں میں عربی منظوم تقریظیں ملتی ہیں۔

تاریخ گوئی فارسی زبان کے اثر و رسوخ سے ہندوستان میں تاریخ گوئی کا چرچا ہوا اور تاریخ گوئی نے یہاں اس قدر مقبولیت حاصل کر لی کہ بنائے مسجد، بنائے مدرسہ، تعمیر مکان، ولادت اور وفات وغیرہ پر تاریخیں لکھی گئیں۔ طباعت کتاب کے ساتھ تو تاریخ کا اس قدر التزام ہو گیا تھا کہ عموماً منظوم تقریظ کا آخری شعر مادہ تاریخ پر مشتمل ہوتا تھا۔ تقریظ نثر میں ہوتی یا سرے سے نہ ہوتی تب بھی خاتمہ کتاب کو تاریخی شعر سے مزین کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی گو اور اردو گو شعراء بھی دو ایک تاریخی شعر بہ تکلف موزوں کر لیتے تھے۔ یہ حسن اتفاق تھا کہ فارسی زبان کے مقابلے میں عربی زبان میں بحر بہ

کردہ تقریظ و تاریخ کو قبیح سمجھا جاتا تھا، اسی لیے فارسی و اُردو زبانوں کی سیکڑوں کتابوں میں تاریخی اشعار عربی میں درج ہیں۔

رباعیات وقطعات وغیرہ ہندوستانی شعراء نے رباعیات اور قطعات کافی تعداد میں لکھے ہیں۔ ' واسوخت'، جس کو عربی میں معاتبہ کہا جاسکتا ہے، کے نمونے وزیر علی سندیلوی کے دیوان میں مخصوص طور پر موجود ہیں۔ مثنوی جو عربی میں ' مزدوجہ' کے نام سے مشہور ہے ہندوستان میں ترقی پذیر نظر آتی ہے۔ اس صنف میں آزاد بلگرامی کی مثنویوں کا مجموعہ " مظہر البرکات"، اور مفتی محمد عباس کی انتہائی طویل مثنوی " حباس الاجناس " قابلِ ذکر ہیں۔ عرب شعراء نے ' نسیب' میں محبوبہ کے محاسن کو نہایت بسط و تفصیل سے بیان کیا لیکن ہندوستانی شعرا کے کلام میں ' نسیب' کی کوئی مستقل حیثیت نہیں تھی بلکہ مدحیہ قصیدے کا ہی ایک جز تھی۔ آزاد بلگرامی نے غالباً فارسی اثر کے تحت ' مرآۃ الجمال'، نامی ایک قصیدہ لکھا جو ' سراپا' کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ اس میں سر سے قدم تک محبوبہ کے تمام محاسن کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ملمعات ہندوستانی شعراء کے یہاں ملمعات[1] کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ چونکہ اس قسم کی شاعری اہلِ ایران کے انداز پر ہوتی ہے، اس لیے اگرچہ بعض شعراء نے اردو آمیز عربی اشعار لکھے لیکن عام طور پر فارسی آمیز عربی یا عربی آمیز فارسی اشعار لکھے گئے ہیں۔

---

[1] فن بدیع کی صنائع میں ' صنعت تلمیع' خالص عجمی اثرات کا نتیجہ ہے۔ اس صنعت کے معرض وجود میں آنے کی تاریخ بتانا مشکل ہے، البتہ چوتھی صدی ہجری کے بعد سے عجمیوں نے فارسی آمیز عربی یا عربی آمیز فارسی اشعار لکھنا شروع کردیئے تھے۔ حکیم محمد مومن جزائری کے نزدیک ' صنعت تلمیع' شعر میں ایسے دو مرادف لفظوں کا استعمال کرنا کہ جن میں ایک عربی ہو اور دوسرا کسی دوسری زبان کا، اور دونوں میں سے ایک میں تکرار یہ ہو مثلاً حکیم محمد مومن نے لکھا ہے:

الا باختلاف العین توم تطیروا   فانکرت حتی بان یوم النوی لسیا

(باقی صفحہ ۱۲۲ پر)

کجری وسہرا ہندوستان کے ملکی شعر وادب نے اہل ہند کی عربی شاعری پر بہت کم اثر ڈالا ہے تاہم آزاد بلگرامی نے ادب عربی میں اضافہ کرنے کی غرض سے ہندی تصورات خیالات اور ہندی شاعری کے مختلف اطوار و اسالیب کے عربی میں تراجم کیے ہیں۔ کجری اور سہرا بھی عربی زبان میں لکھے گئے مگر ان کی مثالیں زیادہ دستیاب نہیں ہوئیں مگر یہ دونوں قسمیں ہندوستان کی پیداوار ہیں۔

بقیہ حاشیہ ص ۱۱۹

فقد کملت جفنی بالبین اشبہا ؎ جناحی غراب البین دار تاع بالبیا

دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں 'بال' عربی میں قلب اور فارسی میں بازو کو کہا جاتا ہے۔ 'جناح' اور 'بال' کے درمیان 'توریہ ملمعہ' ہے۔ آزاد بلگرامی نے اپنا حسب ذیل شعر تحریر کرتے ہوئے 'توریہ ملمعہ' کی مثال جزائری کی مثال سے بالاتر پیش کی ہے :-

قمر بلا کلف ونقص فی ضح یا ایہا المشتاق ابصر آئی

'آئی' عربی میں آیت کی جمع ہے اور ماہتاب خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ پھر اس جگہ نشانیاں ہونا (ماہ تاباں، اس کا بے داغ ہونا، اس میں کسی ظاہری خرابی کا موجود نہ ہونا) جمع کے صیغہ کو صحیح بنا دیتا ہے۔ ترکی زبان میں بھی 'آئی' چاند کو کہا جاتا ہے۔ اردو میں 'آیا' فعل ماضی ہے۔ شعر کا مطلب تینوں زبانوں میں سے ہر ایک زبان کا لفظ قرار دینے سے صحیح و درست ہے۔

(سبحۃ المرجان ص ۲۰۷ و ۲۰۸)